شاہ ولی اللہؒ کی تالیفات پر ایک نظر

غلام مصطفیٰ قاسمی

حکمت ولی اللّٰہی کے نقطۂ نظر سے اسلام کو سمجھنے اور علوم اسلامیہ کے مطالعہ کرنے کا جو علمی رجحان ولی اللّٰہی فلسفہ کے سب سے بڑے علمبردار اور داعی حضرت العلاّمۃ الاستاذ عبید اللہ سندھی کی مساعی جمیلہ سے شروع ہوا تھا، وہ آہستہ آہستہ بڑھتے بڑھتے اب مستقل مکتبِ فکر کی حیثیت اختیار کر رہا ہے۔ ملک کے عربی و دینی مدارس میں، جدید کالجوں اور یونیورسٹیوں میں شاہ صاحب کی تعلیمات اور تالیفات کے مطالعہ کرنے اور اُن پر تحقیقی مقالے لکھنے کا شوق اسی سلسلہ کی ایک کڑی ہے، اور یہ ایک بڑا خوش کُن امر ہے۔ کیونکہ اس سائنسی دور میں اگر دین اور اسلامی روایات کو محفوظ رکھنا ہے تو ہمارے خیال میں اس کے سوا کوئی چارہ نہیں کہ ولی اللّٰہی فکر کی اشاعت عام ہو۔ پھر یہ ایک ذریعہ بھی ہوگا مسلمانوں کے مختلف فرقوں کو ایک دوسرے سے قریب لانے اور اُن کے فروعی اختلافات کو کم کرنے کا۔ آج سارے عالم اسلام اور بالخصوص برصغیر کے مسلمانوں کی سب سے اہم ضرورت یہی ہے، لیکن ولی اللّٰہی فلسفہ اور علوم کی تشریح اور مطالعہ کے بعد نتائج اخذ کرنے میں دُور رس نگاہ وسعتِ قلب اور اشد احتیاط کی ضرورت ہے ورنہ اس فلسفہ کے ذریعہ قوم کے ذہنی انتشار اور تشتت سے نکلنے کی جو آخری اُمید اور سہارا ہے وہ بھی ہاتھ سے جاتا رہے گا۔

ظاہر ہے کہ ایک عظیم مصنّف، مصلح اور حکیم کو اپنی زندگی میں جن حالات اور اَدوار سے گذرنا پڑتا ہے، ان کا اس کی تالیفات پر اثر انداز ہونا لازمی امر ہے۔ حضرت شاہ صاحب کو بھی اس مسلّمہ قاعدے سے مستثنیٰ نہیں کیا جا سکتا، اِس لئے ضرورت اِس امر کی ہے کہ آپ کی تالیفات پر اِس اعتبار سے نظر ڈالی جائے۔ ہمارے خیال میں آج تک اِس موضوع پر تفصیل سے کچھ نہیں

لکھا گیا۔ اور غالباً اس کا بڑا سبب تو یہی ہوگا کہ بدقسمتی سے شاہ صاحبؒ نے اپنی کتابوں کے مقدموں میں سوائے معدودے چند کتابوں کے سنِ تالیف نہیں لکھا، حالانکہ اُس دور میں یعنی بارھویں صدی ہجری میں مولّفین کی یہ عام عادت تھی کہ وہ اپنی تصنیفات میں سنِ تالیف ضرور لکھا کرتے تھے، شاہ صاحبؒ کے ایک عظیم معاصر اور محقق عالم مخدوم محمد ہاشم ٹھٹوی (۱۱۰۴ - ۱۱۷۴ھ) کی کوئی شاذونادر تصنیف ایسے ملے گی جس میں سنِ تصنیف نہ دیا گیا ہو۔ اپنی سب کتابوں کے شروع یا آخر میں مخدوم صاحبؒ نے سنِ تصنیف لکھا ہے۔ شاہ صاحبؒ کا معاملہ اس کے بالکل برعکس ہے۔ اِن کتابوں کو چھوڑ کر جن میں شاہ صاحبؒ نے سنِ تالیف کی تصریح فرمائی ہے، باقی کتابوں کے سنینِ تالیف اور اَدوار کی تعین میں ہمیں پختہ قرائن اور اشارات ہی سے کام لینا پڑتا ہے، اور اس کے بغیر اس بارے میں رائے قائم نہیں کی جاسکتی۔ لیکن قرائن آخر قرائن ہی ہوتے ہیں اور عین ممکن ہے کہ شاہ صاحبؒ نے کوئی رسالہ یا کتاب پہلے لکھی ہو۔ لیکن بعد میں اس پر انھیں نظرِ ثانی کا موقع ملا ہو اور انھوں نے بعد کے دَور کی کسی بات یا تحقیق کا اس میں اضافہ کیا ہو۔ بہرحال ہم نے اس ضمن میں اپنی بساط کے مطابق تفحص اور تلاش میں کوئی کسر اُٹھا نہیں رکھی، اور ہمارے پاس شاہ صاحبؒ کی جُملہ کتابیں جو موجود ہیں ان سب کو پڑھ کر پھر اُن کے سنینِ تالیف کے متعلق کوئی رائے قائم کی ہے۔ وھو المستعان۔

حضرت شاہ صاحبؒ کی علمی زندگی کو تین اَدوار میں تقسیم کیا جاسکتا ہے۔

(۱) **تحصیل ملکات کا دَور**: علّامہ اُستاد عبیداللہ سندھی اس سے مراد لیتے ہیں عربی زبان کا سیکھنا، منطقی اصطلاحات کا استعمال کرنا، سوسائٹی کے رائج الوقت قانون یعنی فقہ حنفی کے متون و شروح کا پڑھنا، اس قانون کے عقلی نظام یعنی اصول فقہ کا سمجھنا اور متکلمین کے مختلف مکاتیب فکر اور ان کے تقابلی مباحث سے شناسا ہونا۔ یہ علوم و فنون اُن کے تحصیلی ملکات کا ذریعہ تھے۔[1]

---

[1] امام ولی اللہ کی حکمت کا اجمالی تعارف ص ۲۳۵۔

یہ دور تو صرف کسب علوم اور تحصیل ملکات کا دور ہے جو کہ آپ کی پندرہ سال کی عمر میں تمام ہوتا ہے۔ آپ کی اس کے بعد کی زندگی کو دو ادوار (قبل از سفر حرمین و بعد از سفر حرمین مطابق ۱۱۴۳ھ) میں تقسیم کیا جا سکتا ہے۔ اس تمہید کے بعد اب ہم آپ کی تالیفات پر نظر ڈالتے ہیں۔

قرآن و علوم قرآن

فتح الرحمٰن (قرآن مجید کا فارسی ترجمہ)۔

اس کی تالیف کا آغاز تو سفر حرمین سے پہلے ہوا۔ البتہ اس کا اختتام سفر حرمین سے واپسی کے بعد آپ نے فرمایا، اس لحاظ سے ہم اس تالیف کو دونوں دوروں کا حاصل کہہ سکتے ہیں۔ علامہ اُستاذ عبید اللہ سندھی اپنی مشہور تالیف "التمہید لائمۃ التجدید" میں فرماتے ہیں:

وقد جعل الامام ولی اللہ قراءۃ القرآن مع التدبر سنۃ لازمۃ وکتب فتح الرحمٰن قبل مجیئہ الی الحرمین[1]	امام ولی اللہ نے تدبر کے ساتھ قرآن کی تلاوت کو سنت لازمہ قرار دیا ہے۔ اور حرمین کی طرف آنے والے سے پہلے آپ نے فتح الرحمٰن لکھی۔

علامہ اُستاذ کی اس عبارت سے بظاہر تو یہ معلوم ہوتا ہے کہ پورا ترجمہ سفر حرمین یعنی ۱۱۴۳ھ سے پہلے کا ہے۔ مگر فی الحقیقت ایسا نہیں ہے۔ فتح الرحمٰن کے فارسی مقدمہ سے (جو کہ اس حقیر راقم کی کوشش سے پہلی بار اصح المطابع کراچی والوں نے شائع کیا) معلوم ہوتا ہے کہ اگرچہ اس کی تالیف کا آغاز سفر حرمین سے پہلے کا ہے لیکن اس کا اختتام سفر حرمین سے واپسی کے بعد ہوا، مقدمہ کی عبارت ملاحظہ ہو:۔

ایں فقیر را داعیہ ایں امر خطیر بخاطر ریختند، وخواہ مخواہ برسر آں آوردند،	اس فقیر کے دل میں اس امر عظیم کا یہ داعیہ پیدا ہوا اور مجھے اس کے لئے مجبور ہونا پڑا

---

[1] کتاب التمہید قلمی۔ الباب العاشر فی الفرقۃ الولی اللہیۃ۔ یہ نادر روزگار کتاب سندھی ادبی بورڈ حیدرآباد کے اہتمام سے چھپ رہی ہے۔

یک چند در تفحص ترجمہا افتاد تا ہر کرا
کہ از تراجم غیر آں کہ بخاطر مقرر
شدہ است مناسب باید در ترویج آں
کوشد، وکیف ما امکن پیش اہل
عصر مرغوب نماید، در بعض تطویل ممل
یافت و در بعض تقصیر مخل۔ ہیچ یک موافق
آں میزان نیفتاد لاجرم عزم تالیف
ترجمہ دیگر مصمم شد، وتسوید ترجمہ
زہراوین برروے کار آمد بعد ازاں
سفر حرمین اتفاق افتاد، وآں سلسلہ
از ہم گسست۔ بعد سالہاے چند عزیزے
پیش ایں فقیر خواندن قرآن با ترجمہ
آں شروع کرد ایں صورت سلسلہ
جنبان آں عزم شد، و برسر آں
آورد کہ بقدر خواندن سبقاً سبقاً نوشتہ
شود چوں قریب ثلث قرآن رسیدہ
شد آں عزیز را سفرے پیش آمد و
ایں تحریر در حیز توقف افتاد، بعد
مدتے باز تقریبی پیدا شد دیگر
بار آں خطرہ پارینہ را یاد آورد وتا در
ثلث قرآن کشیدہ بود، چوں للاکثر
حکم الکل مقرر است بعض یاراں گفتہ
شد کہ آں مسودہ را تبییض کنند و

کہ چند تراجم قرآن کا تفحص کیا جائے تاکہ
ان دوسرے تراجم سے وہ ترجمہ جو میرے
مذاق کے موافق ہو اس کی ترویج میں
کوشش کی جائے اور جس طرح ہو سکے
اس کو اہل زمانہ کے ہاں مرغوب بنایا جائے
(لیکن کوئی ترجمہ ایسا نظر نہ آیا) کیونکہ کچھ تراجم
ایسے تھے جن میں ملال پیدا کرنے والی طوالت
تھی۔ اور بعض میں مخل کوتاہی تھی۔ لیکن کوئی
ترجمہ بھی میرے معیار پر نہ اترا۔ لہذا ایک
دوسرے ترجمے کی تالیف کا عزم مصمم پیدا
ہوا، زہراوین (بقرۃ، آل عمران) کا ترجمہ
لکھا گیا، اس کے بعد سفر حرمین کا
اتفاق ہوا اور یہ سلسلہ ٹوٹ گیا۔ چند سالوں
کے بعد ایک عزیز نے اس فقیر کے پاس
ترجمہ کے ساتھ قرآن کا پڑھنا شروع کیا
اور اس سے عزم سابق میں ایک جنبش سی
پیدا ہوئی اور یہ خیال ہوا کہ ایک ایک سبق
کے مقدار ترجمہ لکھا جائے، جب تقریباً ثلث
$\frac{1}{3}$ قرآن کا ترجمہ پورا ہوا تو اس عزیز کو سفر کا
سامنا کرنا پڑا۔ اور یہ تحریر موقوف ہوگئی، ایک
مدت کے بعد پھر یہ تقریب پیدا ہوئی اس
کے حاصل کرنے میں قدیم خیال کو یاد کیا یہاں تک
کہ دوسرا ثلث بھی ختم ہوا۔ (یعنی ترجمے کے دو

آں ترجمہ را مقرون بآیات قرآن نویسید تا نسخہ مستقل گردد، وآں یار سعادت مند روز عید الاضحیٰ سنۃ خمسین بعد الالف والمائۃ در تبییض شروع نمود، چوں بتبییض بآخر تسوید رسید باز عزم را انبعاثے پدید آمد و تا آخر قرآن مسودہ شد وکان ختم التسوید فی اوائل شعبان وختم التبییض فی اوائل رمضان سنۃ احدی وخمسین۔

تہائی مکمل ہوگئے، جب کہ اکثر کو کل کا حکم ہوتا ہے، اس لئے بعض دوستوں سے یہ کہا کہ اس مسودہ کو صاف کریں اور اس ترجمے کو آیات سے ملا کر لکھیں تاکہ یہ نسخہ مستقل ہو جائے۔ اس سعادت مند دوست نے ۱۱۵۰ھ میں عید الاضحیٰ کے روز اسے صاف کرنا شروع کیا اور جب تبییض مسودہ کے آخر تک پہنچی تو پھر سابق عزم میں ہیجان پیدا ہوا اور مسودہ قرآن کے آخر تک ہوگیا، مسودہ کے اختتام اوائل شعبان میں ہوا اور تبییض کا اختتام اوائل رمضان ۱۱۵۱ھ میں ہوا۔[1]

چنانچہ حضرت استاذ "امام ولی اللہ کی حکمت کا اجمالی تعارف" میں فرماتے ہیں:

"شاہ ولی اللہ صاحبؒ نے متن قرآن کی حقیقت اپنے اشراق سے اس طرح معین کر لی کہ یہ کتاب بذاتِ خود ایک کامل مکمل نصاب ہے اس پر اضافہ کی کوئی ضرورت نہیں۔ ہندوستانی مسلمانوں کی زبان فارسی تھی۔ ۱۱۵۰ھ میں آپ نے اس کتاب مجید کا فارسی میں "فتح الرحمان" کے نام سے ترجمہ کیا جو ۱۱۵۱ھ میں ختم ہوا اور ۱۱۵۶ھ میں "فتح الرحمان" کی تدریس کا افتتاح ہوا۔ آپ نے ترجمے کے ساتھ مختصر طور پر تشریحی فوائد بھی لکھے۔[2]

علامہ استاذ سندھی نے ۱۱۵۶ھ میں جس تدریس کا ذکر کیا ہے، اس کو امام ولی اللہ

---

[1] مقدمہ فتح الرحمٰن فارسی شمولہ قرآن مجید مترجم فارسی ناشر اصح المطابع وکارخانہ تجارت کتب کراچی۔

[2] امام ولی اللہ کی حکمت کا اجمالی تعارف، شاہ ولی اللہ نمبر "الفرقان" ص ۲۲۹

نے اپنے الفاظ میں اس طرح بیان کیا ہے :

بعد ازاں در سن ست وخمسین باہتمام برادر دینی عزیز القدر خواجہ محمد امین اکرمہ اللہ تعالیٰ بشہودہ آں کتاب را رواجی پیدا شد، و در حیّز مداولت آمد و نسخ متعددہ گشت واہل عصر بآن اقبال نمودند۔	اس کے بعد ۱۱۵۶ھ میں دینی بھائی عزیز القدر خواجہ محمد امین (اللہ تعالیٰ اس کو اپنے شہود سے نوازے) کی کوشش سے اس کتاب (ترجمہ) کا رواج ہوا اور یہ مداولت میں آگئی اور اس کے متعدد نسخے کئے گئے، اور اہلِ زمانہ اس کی طرف متوجہ ہوئے۔[1]

اس ترجمے کی اگر خصوصیات دیکھنی ہیں تو مقدمہ فتح الرحمان اور "شاہ ولی اللہ اور ان کا فلسفہ" کی طرف رجوع کریں۔

(۲) الفوز الکبیر فی اصول التفسیر (فارسی) سن تالیف بعد از ۱۱۵۱ھ و بعد از تالیف فتح الرحمٰن و تاویل الاحادیث۔

اگرچہ مؤلف امام نے اس رسالے کے سن تالیف کے متعلق بصراحت کچھ نہیں لکھا، لیکن اس کی بعض عبارتوں میں فتح الرحمٰن اور تاویل الاحادیث کے حوالہ جات پائے جاتے ہیں اور فتح الرحمٰن کے سن تالیف کے متعلق تو مؤلف امام کی صراحت موجود ہے کہ وہ ۱۱۵۱ھ میں تکمیل پذیر ہوا۔ اس سے لازماً یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ الفوز الکبیر اس کے بعد کی تالیف ہے۔ مؤلف امام فرماتے ہیں:

از علوم وہبیہ در علم تفسیر کہ بآں اشارت کردیم تاویل قصص انبیاست علیہم السلام و فقیر برائے ایں فن رسالہ تالیف کردہ ست مسماۃ بتاویل الاحادیث۔ دیگر بترجمہ	علم تفسیر کے ان وہبی علوم میں سے جن کی طرف ہم نے اشارہ کیا انبیا علیہم السلام کے قصوں کی تاویل بھی ہے۔ فقیر نے اس فن میں ایک رسالہ تاویل الاحادیث کے نام سے تالیف کیا ہے۔ اس کے علاوہ

---

[1] مقدمہ فتح الرحمٰن۔

بزبان فارسی بوجہی کہ مشابہ عربی
باشد درقت در کلام و در تخصیص
و تعمیم وغیرآن و آنرا در فتح الرحمٰن
فی ترجمۃ القرآن ثبت نمودیم [۱]

کلام اللہ کا فارسی زبان میں ترجمہ اس
طریقہ سے کہ وہ مقدار اور تخصیص
و تعمیم وغیرہ میں عربی کے مشابہ ہے اس کو
ہم نے فتح الرحمٰن فی ترجمۃ القرآن میں
ثبت کیا ہے۔

یہ رسالہ قرآن فہمی کے سلسلے میں کتنا اہم ہے، اس کا اندازہ مؤلف امام کی اس عبارت سے کیجئے جو آپ نے شروع رسالے میں لکھی ہے۔

چوں بریں فقیر درے از فہم
کتاب اللہ کشادند، خواست کہ
بعض نکات نافعہ کہ در تدبر کلام
اللہ یاران را بکار آید در رسالہ
مختصری مضبوط نماید امیدواری
از عنایت حضرت باری آنست
کہ طالب علمان را بہ مجرد فہم این
قواعد راہی وسیع در فہم معانی
کتاب اللہ کشادہ گردد کہ اگر عمرے
در مطالعہ تفاسیر ہا گذرانیدن
آنہا بر مفسران علی انہم اقل
قلیل فی ہذا الزمان بسر برند بآن
ضبط و ربط بدست نیارند و
سمیتہا بالفوز الکبیر فی اصول
التفسیر [۲]

جب اس فقیر پر کتاب اللہ کے سمجھنے
کا دروازہ کھولا گیا تو میں نے چاہا کہ
بعض مفید نکات جو کتاب اللہ کے
سمجھنے میں دوستوں کے کام آسکتے ہوں،
اُن کو ایک مختصر رسالہ میں منضبط کرے
خدا تعالیٰ کی عنایت سے امید ہے کہ
طالب علموں کے سامنے صرف ان قواعد
کے سمجھنے سے کتاب اللہ کے سمجھنے کے لئے
ایک وسیع شاہراہ کھل جائے گی کہ اگر
وہ ایک عمر کتب تفاسیر کا مطالعہ کرنے
یا ان کو مفسروں سے جن کی تعداد
اس زمانہ میں بہت ہی کم ہو گئی ہے
پڑھنے میں صرف کریں تو اس قدر ضبط
کے ساتھ حاصل نہیں ہو سکتی، اور میں نے
رسالہ کا نام الفوز الکبیر فی اصول التفسیر رکھا

---

[۱] دیکھو الفوز الکبیر فی اصول التفسیر فارسی ص ۴۶ مطبع مجتبائی نومبر ۱۸۹۸ء
[۲] 〃 〃 〃 〃 ص ۲ 〃 〃 〃

اب ہم اس رسالے کے متعلق فلسفہ ولی اللہی کے عظیم شارح علامہ اُستاذ عبید اللہ سندھی کی رائے پیش کرتے ہیں۔ حضرت اُستاذ علامہ سندھیؒ فرماتے ہیں:

"شاہ صاحبؒ نے قرآن کے مضامین کو مذکورہ بالا پانچ ابواب میں تقسیم کر کے دنیائے اسلام پر رحمت کا دروازہ کھول دیا ہے[۱]۔

"یہاں اگر ان کی کسبی، عقلی اور وہبی اشراقی قوتیں کام نہ کرتیں تو ہمارے خیال میں قرآن کو اس طرح واضح کرنا ناممکن تھا"[۲] دوسری جگہ فرماتے ہیں:

"ہم نے مولانا شیخ الہند قدس سرہ سے اصول تفسیر پر کتابیں مانگیں تو آپ نے کتاب الاتقان فی علوم القرآن از حافظ جلال دین (عبدالرحمٰن بن ابی بکر السیوطی متوفی ۹۱۱ھ) ہمیں مرحمت فرمائی۔ میں نے پوری کوشش سے ساری کتاب بارہا پڑھی۔ سوائے چند اوراق کے مجھے اس میں کوئی چیز دلچسپ نظر نہ آئی جسے اصول کا درجہ دیا جا سکے، اسی زمانہ میں حضرت مولانا (شیخ الہند) نے یہ بھی فرمایا تھا کہ ایک مختصر سا رسالہ اصولِ تفسیر میں شاہ ولی اللہ صاحب نے بھی لکھا ہے جس کا نام الفوز الکبیر ہے۔ یہاں میں خیال کرتا ہوں کہ حضرت مولانا (شیخ الہند) قدس سرہٗ کی عادتِ مبارکہ کا ضمناً ذکر کروں۔ آپ جانتے تھے کہ امام فخر الدین رازی اور علامہ (مسعود بن عمر المتوفی ۷۹۱ھ) تفتازانی کو عموماً طلبہ میں بڑی عزت کی نگاہ سے دیکھا جاتا ہے۔ ان نام بردہ حضرات کے مقابلہ میں طلبہ شاہ ولی اللہ اور شاہ عبدالعزیز کی بات سننے کے لئے بھی تیار نہیں۔ نجم الائمہ شیخ الہند لہٰذا اگر کسی مسئلے میں امام رازی یا علامہ تفتازانی کی تغلیط کرتے تو مبہم طور پر یہ فرماتے کہ محققین کی رائے اس مسئلہ میں یوں ہے۔ طلبہ سمجھتے کہ یہ محققین ان حضرات سے بھی کوئی متقدم ہستیاں ہونگی۔ میں

۱؎ یہ تقسیم الفوز الکبیر میں کی گئی ہے۔

۲؎ دیکھو شاہ ولی اللہ کی حکمت کا اجمالی تعارف مشمولہ الفرقان شاہ ولی اللہ نمبر ص ۲۴۷

ایک لمبے عرصے کے بعد منتقل ہوا کہ محققین سے حضرت شیخ الاسلام مولانا محمد قاسم اور ان کے اساتذہ کرام اور مشائخ عظام ہیں جو شاہ ولی اللہ صاحبؒ پر ختم ہو جاتے ہیں۔

"یہ باعث تھا کہ آپ نے "الفوز الکبیر" مجھے شروع میں عطا نہ کی بلکہ فقط اس کا تذکرہ کر دیا۔ جب میں سندھ پہنچا تو مجھے "فوز کبیر" کا نسخہ ملا، اس سے پیشتر میں امام رازی کی تفسیر کا مطالعہ کر کے کافی پریشان ہو چکا تھا۔ (الفوز الکبیر کے) فصل اوّل کا مطالعہ ختم کرنے کے بعد میں مطمئن ہو گیا کہ انشاء اللہ علم تفسیر مجھے آسکتا ہے، پھر اس دن سے آج تک میں ان کے مسلک سے باہر جانے کی ضرورت محسوس نہیں کر سکا۔[۱] "

(۳) فتح الخبیر بما لابد من حفظہ فی علم التفسیر (عربی)

یہ رسالہ اصل میں الفوز الکبیر فی اصول التفسیر کا پانچواں باب ہے، لیکن بقول مؤلف امام اس باب کو الگ خطبہ سے اس لئے شروع کیا گیا تاکہ مستقل رسالہ بن جائے اور کوئی چاہے تو اس کو (الفوز الکبیر سے) جدا کر کے لکھے (ملہ)۔ اس رسالہ میں مؤلف علاّم نے قرآن مجید کے غرائب کی شرح فرمائی ہے، اور اسباب نزول میں سے وہ حصہ جس کا مفسّر کے لئے جاننا ضروری ہے اور اس کے بغیر قرآن مجید میں خوض کرنا ممنوع ہے، اسے ذکر فرمایا ہے۔

شاہ صاحبؒ نے شرح غرائب میں حضرت عبداللہ بن عباسؓ کے ان آثار کو جو کہ ابن ابی طلحہ کی طریق سے مروی ہیں، جمع کیا ہے اور اس کی کمی ضحاک کے طرق سے پوری کی گئی ہے۔ علامہ سیوطی نے بھی "اتقان" میں ایسا ہی کیا ہے۔ لیکن کچھ غرائب ایسے بھی تھے جو کہ ان دونوں فریقوں کے طرق میں نہیں ملتے تھے، ان کی تکمیل نافع بن ازرق کے مسائل اور صحیح بخاری کی تحقیق سے کی گئی ہے، کیوں کہ اس باب کی مرویات میں صحیح بخاری کو اصح

---

[۱] دیکھو الفوز الکبیر فی اصول التفسیر فارسی ص ۲۴۸ مطبع مجتبائی نومبر ۱۸۹۸ء

ہونے کا درجہ حاصل ہے۔ اِس کے علاوہ اہل نقل میں سے کچھ دوسرے ثقات کے اقوال بھی "فتح الخبیر" میں موجود ہیں، لیکن وہ تعداد میں کم ہیں۔ محدثین کی تفاسیر سے اسبابِ نزول کے متعلق ضروری باتیں لائی گئی ہیں اور وہ تفاسیر یہ ہیں۔ تفسیر بخاری، ترمذی اور حاکم۔

مولّف امام کی "فتح الخبیر" کے متعلق جو اپنی رائے ہے، اس کو بھی پڑھ لیجیے :۔

فجاءت بحمد اللہ رسالۃ مفیدۃ فی بابھا عدۃ نافعۃ لمن اراد ان یقتحم فی عبابھا، وسمیتھا فتح الخبیر بما لا بد من حفظہ فی علم التفسیر[1]	اللہ کی تعریف سے یہ رسالہ اپنے باب میں سُودمند ہوا، اور جو اس کی موج میں داخل ہونا چاہیے، اس کے لئے نافع ہتھیار ہے۔

یہ رسالہ ڈیمی سائز کے ۳۲ مطبوعہ صفحات پر مشتمل ہے اور ہر صفحہ ۲۷ سطور کا ہے۔ علوم قرآن کے سلسلہ میں امام ولی اللہ کی ایک کتاب اور بھی ہے، جو "تاویل الاحادیث" کے نام سے موسوم ہے، لیکن اس پر کچھ لکھنے سے پہلے قرآن اور علوم قرآن پر شاہ صاحب کی ان علمی مساعی کو ولی اللّٰہی دعوت کے پس منظر میں دیکھنا چاہتے ہیں۔ ولی اللّٰہی دعوت کا مدار چار چیزوں پر ہے :۔

(۱) سب سے پہلے قرآن مجید میں تدبّر اور غور کرنا، اور مفسّرین کی آراء سے مستغنی ہو کر قرآن مجید سے براہ راست ہدایت حاصل کرنا۔ شاہ صاحبؒ نے اس کے اُصول اپنی تالیف "الفوز الکبیر" میں بیان فرمائے ہیں۔ اِس ضمن میں جس تحقیق اور تجدید کے شاہ صاحبؒ داعی ہیں، اس کی ابتدا بقول علّامہ استاذ عبید اللہ سندھی، شاہ صاحب کے والد شاہ عبدالرحیم سے ہوتی ہے۔[2] شاہ عبدالرحیم نے علوم اور معارف کو عالمگیری دَور کی اسلامی سوسائٹی سے حاصل کیا، اور خصوصی معارف اپنے نانا شیخ رفیع الدّین دہلوی سے ورثہ میں پائے۔

---

[1] دیکھو باب پنجم الفوز الکبیر فارسی مطبوعہ مجتبائی ۱۸۹۸ء

[2] کتاب التمہید لائمۃ التجدید (قلمی)

شاہ صاحبؒ بوارق المعرفۃ میں لکھتے ہیں :۔

وظیفہ حضرت ایشان از نوافل تہجد و اشراق و ضحی و دو رکعت بعد مغرب بود و بتلاوت و آنما مشغول می بودند مگر بعذر بغایت خوشی و با رعایت تجوید می خواندند ، و غالباً در حلقہ یاراں بیروں از تلاوت ہر روز دو سہ رکوع بتدبر و بیان معانی آن می خواندند ؎ [1]

وظائف میں سے حضرت (شاہ عبدالرحیم) کا یہ معمول تھا کہ نوافل میں سے تہجد، اشراق، صلوٰۃ، چاشت اور مغرب کے بعد دو رکعت نفل پڑھتے تھے۔ کبھی عذر کے بغیر ہمیشہ تلاوتِ قرآن میں مشغول رہتے تھے، نہایت سرور اور تجوید کی رعایت سے قرآن کی تلاوت فرماتے تھے، اور اس تلاوت کے علاوہ دوستوں کے حلقہ میں روزانہ دو تین رکوع تدبر سے پڑھتے اور ترجمہ بیان فرماتے۔

شاہ صاحبؒ نے بھی تدبر کے ساتھ تلاوت قرآن کو سنتِ لازمہ قرار دے دیا! فتح الرحمٰن، الفوز الکبیر اور فتح الخبیر کی تصنیف اسی رجحان کا نتیجہ ہے۔

---

[1] بحوالہ بوارق المعرفۃ مشمولہ انفاس العارفین۔